علامہ اقبال کی نظموں میں مذہبی علامتیت

Religious Symbolism in *Iqbāl's* Poems

Abid Hussain

Doctoral Candidate Urdu, Federal Urdu University, Islamabad

Dr. Syed Aoun Sajid Naqvi

Assistant professor Urdu, Federal Urdu University Islamabad

Dr. Mohib ul Nabi Tahir

Assistant Professor of Islamic Studies, Govt. Graduate College, Nankana Sahib

Abstract

Symbols are basically tools to deliver the creative poetic meaning. In the poems of Iqbal, there are a large number of symbols used to explain and emphasize on the poetic meaning and message. Most of the symbols used in the poetry of *Iqbāl* have religious background like *Iblīs*, Mullā etc. This article is aimed to focus the symbolic poetry of Iqbal. It will be helpful in approaching the symbolical poetics of Iqbal.

Key Words: Iqbal, Poems, religious Symbolism

تمہید

شاعر مشرق علامہ ڈاکٹر محمد اقبال کی شاعری جہاں اپنے وسیع مشاہدات ، گہرے تفکرات اور عمیق تجزیات کے باعث اہلِ فکر و خرد کے ہاں مقام رکھتی ہے وہاں فنی لوازمات خصوصا مذہبی علائم و رموز، تلمیحات، تشبیہات اور استعارات کے تخلیقی استعمال کے باعث اہل زوق و فن کو بھی مستحکم طور پر اپنی گرفت میں لیتی ہے۔ فکر اقبال کو ابتدائی طور پر اسلامی طرز تفکر و روایات سے آشنائی عطا کرنے کا سہرا تو بالیقین ان کے عظیم استاد مولوی میر حسن کے سر بندھتا ہے۔اسی ابتدائی مگر وسیع امکانات کی حامل فکری بنیاد کو وسعت، نکھار اور استحکام بخشنے کے لیے اقبال نے اپنی فکری و فنی استعداد سے بھر پور فائدہ اٹھایا۔اقبال کی شعری کائنات میں معنوی پاکیزگی، لفظی کشش اور وسعتِ تاثیر پیدا کرنے میں ان علائم و رموز کا کردار انتہائی اساسی نوعیت کا ہے جن کا پس منظر اسلامی تاریخ، روایات، تمدن، طرز تفکر اور طرز عمل سے تشکیل پاتا ہے یا کم از کم اس سے تعلق رکھتا ہے۔ محمدؐ، ابراہیم، موسیٰ، عیسیٰ، اسماعیل، حسین، ابو بکر، علی، با یزید،

جنید، کعبہ، مقتل، کربلا، ابلیس اور اس نوعیت کے بہت سے اسماء فنی و تخلیقی تنوع و معنویت کے ساتھ نظمیاتِ اقبال میں استعمال میں آئے ہیں۔ زیرِ نظر مقالے میں نظمیات اقبال میں مستعمل مذہبی علائم کی تفہیم و تعبیر مقصود و مطلوب ہے۔

علامت کے لغوی معنی

لفظ علامت کے معنی فیروزاللغات میں علامت کے معانی یہ درج ہیں: نشان، مارک، سراغ، کھوج، اشارہ، کنایہ، چھاپ، مہر، لیبل، آثار، (بیماری کے) جمع، تفریق، ضرب و تقسیم کا نشاں، امیری کا نشاں، فاصلے کا نشاں، میل کا پتھر[1] نورُ اللغات میں علامت کے ضمن میں یہ معنی درج ہیں: نشان، آثار، پہچان، مہر یا کوئی اور نشان جو کارخانہ یا مالک کی طرف سے بنا دیا جائے۔[2] فرہنگ آصفیہ میں علامت کے معانی کچھ یوں بیان ہوئے ہیں: علامت (ع) اسم مونث نشان، لکھشن، مارک، پتہ، ایڈریس، سراغ، کھوج، اشارہ، کنایہ، آثار۔[3]

انگریزی میں علامت کے لیے Symbol کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ یہ لفظ دراصل یونانی زبان سے ماخوذ ہے اور دو لفظوں (Bolon) اور (sym) مجموعہ ہے۔ لغوی اعتبار سے علامت انگریزی لفظ symbol کا ترجمہ ہے اور یونانی لفظ symboline سے نکلا ہے جس کے معانی ہیں "دو چیزوں کو ایک ساتھ رکھنا"[4] انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا میں سمبل کی تعریف یوں درج ہے:

> "Symbol the term given to a visible object representing to the mind, the symblance of something which is not shown but realized by association"[5]

انگلش ہندی اردو ڈکشنری میں ہے:

> "A mark, sign, token, indox, exponent Characteristic, acognizouee a badge, device, a flag"[6]

علامت کے اصطلاحی معنی

"کشاف تنقیدی اصطلاحات" میں علامت کی تعریف ان الفاظ میں کی گئی ہے۔ علامت کے اصطلاحی معنی ہیں: کوئی شے، کردار یا واقعہ جو بطور مجاز اپنے کردار اپنے ماورا کسی شے کی نمائندگی کرے۔"[7] ادبی اصطلاح میں علامت نگاری سے مراد کسی خیال یا فکر کو بالواسطہ طور پر کسی اشارے یا نشان کے طور پر بیان کرنے کا نام ہے۔ ڈاکٹر سید عبداللہ نے لکھا ہے کہ علامت مخفی تصورات کا وسیع نظام کی مجمل ترین شکل ہے۔ یہ بھی دراصل تشبیہ کے خاندان سے ہے اور کسی نہ کسی جہت سے مشابہت کا رابطہ اس میں کارفرما ہوتا ہے۔ علامت نگاری میں مخفی تصورات کا وسیع سلسلہ ہوتا ہے اور اس کی حیثیت ذہنی رویے کی ہوتی ہے۔ علامت میں اظہار بصورتِ اخفا ہوتا ہے۔[8] ڈاکٹر تبسم کاشمیری نے لکھا ہے کہ علامت

کسی غیر مرئی حقیقت کا مرئی نشان ہے۔ مرئی نشان غیر مرئی حقیقیت کی نمائندگی کرتا ہے۔ یہ مرئی حقیقت چونکہ معنی خیزی رکھتی ہے اس لیے اس کے پیچھے گنجلک و پیچیدہ خیالات و محسوسات کا ایک سلسلہ بنتا ہے اور علامت ان خیالات کے تصورات ابھارنے کے فرائض اختصاری عمل سے انجام دیتی ہے اور ان تصورات سے جو معنویت و مفہوم مرتب ہوتا ہے وہ ہمیشہ غیر یقینی ہوتا ہے علامتی معنویت یقینی نہیں ہو سکتی۔ جب معنوی رشتے یقینی ہو جائیں تو علامت ایک روایتی نشان بن جاتی ہے۔[9] در حقیقت علامت شے کو اس کے مخفی تصور سے منسلک کرتی ہے بلکہ یوں کہیے کہ جب شے علامت کا روپ اختیار کرتی ہے تو قاری کے ذہن کو اپنے مخفی تصور کی طرف موڑ دیتی ہے۔ ڈاکٹر وزیر آغا نے ایک جگہ لکھا ہے کہ جب شاعر کسی شے یا لفظ کو علامت کے طور پر استعمال کرتا ہے تو اپنی جست کی مدد سے اس شے اور اس کی مخفی معنی میں ایک ربط دریافت کرتا ہے۔ شاعر کا سارا جمالیاتی حظ اس میں اسی جست کے باعث ہے۔[10] عارف عبد المتین نے مثالوں کے ذریعے علامت کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ گل کا لفظ ایک علامت ہے اور اس کی معنویت کا راز اس نباتاتی وجود میں پوشیدہ ہے جو کہ سرخ رنگ کی نرم و نازک پتیوں پر مشتمل پیکر لیے اپنی خوشبو سے باغ کے گوشے گوشے کو مہکا رہا ہے۔ اسی طرح بلبل کا لفظ ایک علامت ہے اور اس کی معنویت کا راز اس حیواناتی وجود میں پنہاں ہے جو اپنے خوشنما اور دیدہ زیب رنگوں والے پروں کے ساتھ باغ میں اڑتا ہے اور گلوں پر کمال شیفتگی سے منڈلاتا ہے۔[11] ڈاکٹر فہیم اعظمی کے بقول چارلس کیڈوک نے علامت نگاری کو خیالات اور جذبات کے اظہار کا موثر ترین وسیلہ قرار دیا ہے۔ علامت نگاری جذبات اور خیالات کے اظہار کا فن ہے جس میں ان سے متعلقہ عناصر کو براہ راست ظاہر نہیں کیا جاتا اور نہ ہی ان کو کسی دوسری مادی شے کے امیجز سے بین مشابہ گردانا جاتا ہے بلکہ ان جذبات اور خیالات کو اشارتاً بیان کیا جاتا ہے اور قاری کے ذہن میں اس کی تخلیق نو کا تاثر غیر واضح تمثیل کے ذریعے عمل میں آتا ہے۔[12] ہر لفظ یا شے کو ہم علامت نہیں کہہ سکتے ہیں لیکن اگر تخلیقی عمل کی مدد سے کوئی لفظ یا شے اتنی صقیل ہو جائے کہ منعکس کرنے لگے تو ہم کہیں گے کہ اب یہ لفظ یا شے علامتی ہو گئی ہے۔[13] سادہ لفظوں میں سمبل کا مفہوم یہ ہے کہ اس میں کوئی ایک معنی نہیں بلکہ بے شمار معانی ہیں۔ کسی ایک لفظ یا ایک شے کے تصور سے ذہن میں بہت سے معانی پیدا ہوں تو کہ جائے گا کہ اسے آپ نے سمبل کے طور پر استعمال کیا ہے۔[14]

اقبال کی نظموں میں مذہبی علامتیت

اقبال کا شمار ان گنے چنے شاعروں میں ہوتا ہے جو اپنے بلند افکار و نظریات اور فنی و اسلوبیاتی انداز بیان کے اعتبار سے منفرد مقام رکھتے ہیں۔ انھوں نے مختلف علائم کو نہ صرف اپنے بھرپور اور وسیع مفہوم میں استعمال کیا ہے بلکہ علامتوں کو نئے آہنگ اور عصری مزاج سے بھی ہم آہنگ کر دیا۔ اقبال کی نظموں میں علامتیت ان کے ماحول اور معاشرت کے تقاضوں کے مطابق ہے ان کے نزدیک اگر علامت ماحول اور سماجی مسائل سے مملونہ تو وہ بے وقت کی راگنی کی مانند بے اثر رہ جاتی ہے۔ جہاں تک ان کی سماجی قربت کا تعلق ہے اس میں قومیت اور عالم گیریت دونوں عناصر نظر آتے ہیں وہ قوم اور

مذہب میں جمود کے قائل نہیں تھے ان کی نظر میں مذہب ایک متحرک، حیات جاویدانی اور انقلاب آفرین وسیلہ حیات ہے یہی وجہ ہے انہوں نے شعوری طور پر مذہب کو اپنی شاعری کا بنیادی موضوع اور ملت کی معاشرتی فلاح و بہبود کا وسیلہ قرار دیا۔اقبال کی نظموں میں فکری اعتبار سے مشرق و مغرب کے فلسفوں اور جدید علوم کی بو قلمونی کا امتزاج نظر آتا ہے مگر اساس ان کی اسلامی تعلیمات اور قرآن مجید پر استوار ہے۔اسی مستحکم اساس سے وہ متنوع نظریات میں فکری توازن پیدا کرنے میں کامیاب رہے۔انھوں نے تمام علوم اور فلسفیانہ مباحث کا مطالعہ کرنے کے بر عکس ان سب کا اسلامی تشخص قائم کرنے کی سعی کی۔اس مقصد کے لیے انھوں نے جہاں فکری طور پر اپنی اسلامی تعلیمات سے اپنے افکار و خیالات کی تشکیل و تنظیم کی وہاں اپنی نظموں کو فنی لحاظ سے بھی اسلامی پس منظر رکھنے والی علامتوں،استعاروں، تلمیحات اور تشبیہات کے ذریعے قوت بخشنے کی شعوری سعی کی۔اقبال کی علامات ان کے مذہبی طرز فکر، مختلف مذاہب سے ان کی آگاہی تاریخ اسلام اور تاریخ عالم کے بارے میں ان کے گہرے مشاہدے، حالات حاضرہ سے ان کی غیر معمولی دلچسپی اور مختلف فلسفوں پر ان کی گہری نظر کے عکاس ہیں۔جس طرح اقبال کی افکار اور نظریات میں تعقید اور پیچید گی نہیں ہے اسی طرح سے ان کے معنویت سے بھرپور علائم اور استعاروں میں بھی ژولید گی اور نامانوسیت نہیں ہے۔اقبال کی علامتوں میں مرد مومن کی علامت بہت ہی معنی خیز ہے یہی وجہ ہے کی اقبال نے اس علامت کو اپنی نظموں میں بارہا استعمال کیا ہے:

عالم ہے فقط مومن جانباز کی میراث
مومن نہیں جو صاحبِ لولاک نہیں ہے
کافر ہے مسلماں تو شاہی نہ فقیری
مومن ہے تو کرتا ہے فقیری میں بھی شاہی
کافر ہے تو ہے تابع تقدیر مسلماں
مومن ہے تو وہ آپ ہے تقدیر الٰہی

ان اشعار میں بطور علامت فقیری اور قلندر کی دلپذیری اور معنویت بے مثال ہے۔ان میں فقیری کی علامت کو مختلف سانچوں میں ڈھال کر شعر کی معنوی طور پر بلندی پر پہچا دیا ہے یہاں فقیری سے بے نیازی، فنا فی اللہ،مادیت سے بے رغبتی اور حقیقت پسندی جیسے مفاہیم کی طرف اشارہ کیا ہے۔اقبال کی شاعری میں استعمال شدہ بیشتر علامتیں مذہبی پس منظر رکھتی ہیں یا مذہبی تعلیمات و واقعات کے کسی پہلو سے کوئی تعلق رکھتی ہیں۔ ان کی نظموں میں ابراھیم، کلیمی،اسدالہی، بولہبی، مرتضوی، عرفان، جبریل، شبیری، کربلا، غفاری، بوذر، خضر، شیخ،ملا، فقیہ، زاہد، حکیم، کوفی وشامی، برہمن، وغیرہ بہت زیادہ مستعمل ہیں۔اقبال کی مذہبی علامتوں کی معنویت پر ان الفاظ میں روشنی ڈالی ہے:

رِشی کے فاقوں سے ٹوٹا نہ برہمن کا طلسم

عصانہ ہو تو کلیمی ہے کار بے بنیاد
حقیقیت ابدی ہے مقام شبیری
بدلتے رہتے ہیں اندازِ کوفی و شامی

اہل اسلام میں دو ایسے شاعر گزرے ہیں جنہوں نے اسلامی ادب کا پایہ آسمان تک پہنچادیا ہے اور اس کی عظمت کا نقش جبینِ وقت پر ثبت کر دیا۔ ایک ہندو پاک کا شاعر اقبال اور دوسرا دنیائے عرب کا شاعر ابوالعلاء۔[15] علامہ اقبال کو الفاظ پر غیر معمولی قدرت حاصل تھی ان کی فنی عظمت کا اظہار ان کے اس شاعرانہ مزاج سے ہوتا ہے جس میں روایت اور بغاوت کا متزاج ہوتا ہے۔ انہوں نے اردو فارسی کے بہترین شعراء سے، بہترین ورثہ پایا تھااور اس میں اپنے طرز اظہار کے نئے پن اوراحساس کی تازگی سے اپنی قوت متخیلہ اور اپنی شخصیت کے زور سے رنگا رنگی اور وسعت پیدا کرتے تھے۔[16] علامہ اقبال کی شاعری کاعلامتی نظام ان کی فکری ارتقاء اور وسعت کے امکانات سے بھرپور ہے یہی وجہ ہے انکے بعد آنے ولے شعراء چاہے رومانوی تحریک سے وابستہ ہوں یا ترقی پسند تحریک سے۔ جدیدیت کے علمبر دار ہوں، اسلامی ادب کے سر گروہ ان سے نظریاتی لگاؤنہ رکھنے کے باوجود ان کے فن اور اسلوب بیان سے متاثر نظر آتے ہیں۔ ان سے متاثر لوگوں میں ناظر حسین ناظم، نیرنگ، چکست، تصدق حسین خالد، اسد ملتانی، صوفی تبسم ماہر القادری وغیرہ جیسے قادر الکلام شاعر شامل ہیں۔ اقبال نے شر کو زندگی کی ایک قوت تسلیم کیا ہے چناچہ ابلیس اس لحاظ سے تو معتوب ہے کہ وہ بدی کا پیکر اور شر کا مجسمہ ہے اور عامتہ الناس کو خیر کے راستے سے ہٹانے کے لیے کوئی دقیقہ فرو گزاشت نہیں کرتا تاہم اقبال نے ابلیس کے باطن میں جھانکنے اور ابلیس کے کردار کو خالص فلسفیانہ نقطہ نظر سے پرکھنے کی سعی کی ہے۔[17] اقبال نے ابلیس کوایک محرک قوت سے تعبیر دیکر اسے آزادی اظہار اور قوت عمل کا مظہر قرار دیا ہے۔

شیطان جو رسمی مذہب میں بدی کا پتلا ہے اسے اقبال اس حیثیت سے پیش کرتے ہیں کہ اس نے جبر و تحکم کے خلاف علم بغاوت بلند کرکے اور احکام کی بے چون چرا تعمیل کرنے کے بجائے خود آزادانہ فیصلہ کرنے میں پیش قدمی کی ہے اور اپنے اس اقدام سے وہ زبر دست معرکہ چھیڑ دیا ہے جو افراد کے اندرونی رجحانات اور خارجی ماحول کے درمیان ہمیشہ جاری رہے گا۔[18] علامہ اقبال کی علامتوں میں سے ایک کلیم ہے جو کہ حضرت موسیٰؑ کا لقب بھی ہے اس علامت کے ذریعے انھوں نے خودی کی تکمیل کو ظاہر کیا ہے۔ ان کی پیغمبرانہ خودی ان کی شخصیت کا وہ جزو عظیم ہے جس نے فرعونی غرور و نخوت کو شکست دی جہاں فرعونی ظلم و استبداد اور جبریت کی علامتی پیکر ہے جس نے بنی اسرائیل کی تمام ذہنی و فکری قوتوں اور اقتصادی و سماجی حثیت کو سلب کرلیا تھا۔ حضرت موسیٰؑ اپنی قوم کو فرعونی استعمار سے آزاد ہونے کی تلقین کی۔ غلامی کے شکنجے سے آزاد ہونے کا گر بتایا۔ خودی کو بیدار کیا اور مسیحائی و بے باکی کے ساتھ دینے کا درس دیا۔[19] اوائل اسلام اور عمرانی تاریخ میں ملا کا لفظ قابل قدر مذہبی علماء اور شخصیات کے لیے استعمال ہوتا تھالیکن مرور ایام کے ساتھ یہ لفظ بد اعمال، ریاکار، اور علمائے سُوء کے لیے بطور علامت استعمال ہوتا ہے:

دین کافر، فکر و تدبیرِ جہاد
دین ملا، فی سبیل اللہ فساد

اقبال نے ملا کا لفظ علامت کے طور پر استعمال کیا ہے ورنہ صرف شریعت کے ظاہری رسوم و عقائد کی پابندی پر زور دینا اور روح شریعت سے بے خبر رہنا ہر زمانے میں ہدف انتقاد بنتا رہا ہے البتہ ایسے اشخاص کی علامتیں مختلف تھیں جو ظواہر پر اس قدر شیفتہ ہوں کہ روح سے بے خبر ہو جائیں ایسے لوگ عام طور پر سے ریاکار بھی ہوتے تھے۔[20] علامہ اقبال کی نظموں اور شاعری میں بت کا لفظ فقط مصنوعی اینٹ یا پتھر سے بنائے ہونے خداؤں یا دیوتاؤں کے لیے مستعمل نہیں ہے بلکہ تمام غیر اخلاقی اور فرسودہ رسوم و رواج اور رویوں کے لیے بت بطور علامت استعمال کیا ہے نسل پرستی، خود پسندی، رنگ و نسب، دولت پرستی، وطن پرستی اور دنیاداری وغیر کو اقبال نے بت سے تعبیر کیا ہے:

بتان رنگ و خوں کو توڑ کر ملت میں گم ہو جا
نہ تورانی رہے باقی نہ ایرانی نہ افغانی
یہ دور اپنے براہیم کی تلاش میں ہے
صنم کدہ ہے جہاں لا الہ الا اللہ
یہ مال و دولت دنیا یہ رشتہ و پیوند
بتان وہم و گماں لا الہ الا اللہ
مسلم نے بھی تعمیر کیا اپنا حرم اور
تہذیب کے آزر نے ترشوائے صنم اور
یہ بت کہ تراشیدۂ تہذیبِ نوی ہے
غارت گرِ کاشانۂ دینِ نبوی ہے
ہے مری جرأت سے مشتِ خاک میں ذوقِ نمو
میرے فتنے جامۂ عقل و خرد کا تار و پود!
دیکھتا ہے تو فقط ساحل سے رزمِ خیر و شر
کون طوفاں کے طمانچے کھا رہا ہے؟ میں کہ تو؟
خضر بھی بے دست و پا، الیاس بھی بے دست و پا
میرے طوفان، یم بہ یم، دریا بہ دریا، جُو بہ جُو
گر کبھی خلوت میسر ہو تو پوچھ اللہ سے
قصۂ آدم کو رنگیں کر گیا کس کا لہو؟

میں کھٹکتا ہوں دلِ یزداں میں کانٹے کی طرح
تو فقط اللہ ھُو، اللہ ھُو، اللہ ھُو

ابلیس (اپنے مشیروں سے):
ہے مرے دستِ تصرف میں جہانِ رنگ و بو
کیا زمیں، کیا مہر و مہ، کیا آسمانِ تُو بہ تُو
دیکھ لیں گے اپنی آنکھوں سے تماشا غرب و شرق
میں نے جب گرما دیا اقوامِ یورپ کا لہو

شمیم حنفی نے ایک جگہ اقبال کی علامتوں کا ہدف و مقصد ان الفاظ میں بیان کیا ہے کہ عہد وسطیٰ کے مسیحی علائم کی طرح اقبال کے علائم کا ایک بہت بڑا حصہ بھی وضاحتی ہے اور اس کا مقصد تجربے کے مفہوم کو بھید بنانے کے بجائے موثر، مرتکز اور متعین کرنا ہے۔[21] الغرض علامہ اقبال نے ایک جانب اپنے تصورات اور افکار کی تشکیل کے لیے بنیادی ترین مأخذ اسلامی تعلیمات کو قرار دیا تو دوسری طرف دیگر عالَم افکار میں جو خیالات انھیں اسلامی تعلیمات کی تائید کرتے ہوئے نظر آئے وہ بھی قبول کیے گویا فکری اعتبار سے اقبال نے ہر اُس فکر و فن سے استفادہ کیا جس کو اسلامی تعلیمات میں مذموم شمار نہ کیا گیا ہو۔اقبال کے کلام کی روشنی میں جب ہم ان علامتوں کو سمجھتے ہیں تو ایک طرف تو اپنے شعور میں اضافہ کرتے ہیں اور روحانی زندگی کی تنظیم کرتے ہیں۔اور یہی علامتیں جن کے ساتھ ہماری جذباتی وابستگی ہے اور جو ہمارے لا شعور کا خارجی انعکاس ہیں ہمارے طرز احساس کی تشکیل کرتی ہیں۔[22] اقبال کی علامتیں الہیاتی نظام ہی سے تشکیل پاتی ہیں۔اس میں اخلاقی اقدار بھی ہیں، حسن و نیکی، روشنی اور علم کے تصورات بھی۔اقبال کے انسان کامل کی علامت میں جلالی خوبیاں بھی ہیں مگر وہ صرف قوتوں کے لیے استعمال ہوتی ہے۔[23]

خلاصۂ بحث

علامت اظہار و بیان کا ایک موثر فنی وسیلہ ہے جس کو کامیابی سے برتنے کے لیے وافر ذہنی و تخلیقی استعداد درکار ہوتی ہے۔فکر اقبال کا ابتدائی ترین ماخذ اسلامی تعلیمات ہیں۔نظمیات اقبال میں استعمال ہونے والی اکثر علامتوں کا تاریخی و فکری پس منظر اسلامی تاریخ و تعلیمات سے تشکیل پاتا ہے۔نظمیات اقبال میں موسیٰ، ملّا، ابلیس، بت، کوفہ، شبیر، یزید، کوفی، شامی، برہمن، صوفی اور اس نوعیت کے متعدد اسماء لغوی معنی میں نہیں بلکہ علامتی طور پر زیر استعمال ہوئے ہیں۔اقبال کی نظموں کا مطالعہ ان میں مستعمل علائم کے معنوی و فنی پس منظر کی روشنی میں کیا جائے تو قاری کے شعور میں خوش گوار اضافے کے ساتھ اس کی فکری زندگی میں استحکام و ضبط کا سبب فراہم ہوتا ہے۔

References

[1] Mawlvī fairoz-ud-Din, Fairoz-ul-lughāt fārsī (Lahore: fairoze Sons, 1954), 149.

[2]Noor ul Hassan Nayer, Noor-ul-lughaat (Islamabad: National Book Foundation, 1998), 2: 74.
[3]Syed Ahmed Dehlvī, *Farhang-i- Asfia* (Lahore: Maktaba Hassan Sohail, 1947), 3: 279.
[4] Dr Shakeel Patafi, *Urdu Adab aur Maghribi Rujḥanāt* Urdu (Sargodha: 2016), 84.
[5] Encyclopedia Britannica, *Encyclopedia Britannica* (America:1965), 701.
[6]Plastice Jhont, *A Dictionary of Urdu and English* (Lahore:Sang-e-meel Publications, 2003).763.
[7]Dr Abul Ejaz Hafeez Siddique, *Kashāf Tanqeedi Islahāt* (Islamabad: Muqtadira Qawmi Zuban,1985), 123.
[8] Dr Syed Abdullah, *Wali Say IqbālTak* (Lahore:,Sang-e-meel Publications,1995),292.
[9] Dr Tabbasum Kaashmiri, *Jadeed Urdu Shā́rī mein Alāmat Nigari* (Lahore:,Sang-e-meel Publications,1975),4748.
[10] Dr,wazeer Agha, *Urdu Shā́rī kā Mizāj* (Lahore:Maktaba-e-Ālia,1978),423.
[11]Arif Abdul Mateen, *Imkānāt* (Lahore: Technical publishers,1975).135.
[12] Dr Faheem Azmi, *Aara* (Karachi: Sareer, 1992), 103.
[13] Dr wazeer,Agha, *Ma ̒nī aur Tanāzur* (Sargodha :Maktaba-e-NardBaan,1998), 399.
[14] Prof Mumtaz,Hussain, *Sawāl ya hai* (mazmuun),Alāmat Afsāna: Ak Manfī Rujhan (Lahore: Matbūa Aaurāq,1984), 12.
[15] Dr Saleem Akhrtar, *Iqbāl Kī Fikrī Mirāth* (Lahore: Bazme Iqbal, 1996), 31.
[16] Ehtisham Hussain, *Intikhāb-e-Ehtisham Hussain* (Murrtaba) Faqeer Ahmad (Lahore: Iqbal Academy), 343.
[17]Dr Anwar Sadeed, *Iqbāl kay kalāskī Nuqoosh* (Lahore:Iqbal Academy, 1977), 105.
[18] Prof Taaj Muhammad Khayal, *Iqbāl kā Nazrya-i-Iblees*(Maqala),Mashmula,Falsafa-e-Iqbal (Lahore: Bazm-e-Iqbāl), 80.
[19] Prof Sahil Ahmad, *Iqbāl aur Ghazal* (Lahore: Safeena-i-Adab1986), 149.
[20] Dr Abid Ali Abid,*Talmeemāt-e-Iqbāl* (Lahore:Bazm-e-Iqbal, 1959), 459.
[21]Shameen Hanfi, *Iqbāl kā Harf-e-Tamana*, (New Dehli, AnjumanTaraqq-i-Urdu Hind,1996),58.
[22]Dr Sajjad Baqir Rizvi, *Allama Iqbāl aur Arz-e-Hāl* (Lahore:Iqbal Academy,1994),13.
[23] Dr Tabbasum Kaashmiri,*Jadeed Urdu Shaeri mai Alāmat Nigari*, 123